مولانا مناظر احسن گیلانی اور ان کی صوفیانہ فکر

Manāẓir Aḥsan Gīlānī and His Mystic Approach

ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی*

ABSTRACT

Juristic rules laid the foundation of law, along with such juristic rules, Islām promotes the values of piety (through mystic guidelines). Most of the theologians opine that the real approach to get close the Creator can only be achieved through the mystic guidelines. In the early period of Islām, during the time of the prophet, Muḥammad (ﷺ) and during the periods of the rightly guided caliphate, when people were trained in a very righteous environment, there were no such reservations about the applications of clear jurisprudential injunctions along with the mystic guidelines, but, when Muslims tasted the grandeur of rule, regime and abundance of wealth, they indulged in the worldly affairs and adopted a materialistic approach, not only in their daily life, but, toward their religion, too.

The Muslim thinkers have been trying to define and explain whether the typical rituals of mysticism are reconcilable with the larger demands of an Islamic vocabulary. Despite the wide diversity of the critical approaches, a certain pattern has been identified by Muslim responses as mysticism, which is, sometimes found closer to asceticism and sometime as a mediator.

Many Muslim mystics have dealt with mysticism, but, perhaps, Manāẓir Aḥsan Gīlānī has displayed, with reference to Ibn 'Arabī and Shāh Walī Ullāh, the most impressive and knowledgeable applications of such mystic ideas within an Islamic framework. Manāẓir's applied mysticism is not a typical mysticism; his special focus upon legal injunctions of al-Sharī'ah goes much further than any of his peers in establishing a strong framework for better understanding of Islām. This study is devoted to examining the effects and implications of mysticism, not only for individuals, but also for the Muslim masses, generally.

Keywords: *Juristic Ruling, Mysticism, Environment, Guidelines; al-Ghazālī*

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ حدیث وسیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

حالات زندگی:

مولانا مناظر احسن گیلانی کے آباء و اجداد واسطی زیدی سادات کے خاندان سے تھے۔آپ کے بزرگ اولاً سلطان محمد غوری کے ہمراہ ہندوستان آئے اور کان پور میں آباد ہوئے۔ پھر بہار چلے گئے، جو ضلع مونگیر کا حصہ ہے۔ ضلع پٹنہ کے موضع بہار کے مشرق میں ان کی ایک شاخ "محی الدین پور گیلانی" نامی بستی میں آباد رہی۔ یہ نام بعدازاں گیلانی ہی پکارا جانے لگا۔اس سے مولانا مناظر احسن کی پہچان بطور گیلانی ہوئی۔(1)

مناظر احسن گیلانی کے دادا محمد احسن نے اگرچہ ابتدائی عمر میں تعلیم پر توجہ نہ دی، مگر جب صاحب اولاد ہوئے، تو کسی نے انہیں ان پڑھ ہونے کا طعنہ دیا۔ یہ طعنہ برداشت نہ کر سکے، گھر بار چھوڑا اور چودہ برس تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تدریس کو اپنی جولان گاہ بنایا۔(2) جبکہ آپ کے والد گرامی حافظ ابوالخیر حفظ قرآن اور ابتدائی فارسی تعلیم کے بعد کھیتی باڑی کے کاموں میں لگ گئے، تعلیم پر توجہ نہ دی۔تاہم بتایا جاتا ہے کہ آپ بڑے مخیر اور فیاض تھے۔(3)

مناظر احسن گیلانی کی ولادت ۱۸۹۲ء میں ہوئی۔آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا سعید ابو نصر سے پائی۔ بعدازاں مزید تعلیم کے حصول کے لیے آپ سید برکات احمد ٹونکی کے ہاں ٹونک چلے گئے۔ یہاں سات آٹھ سال قیام رہا۔(4) ٹونک سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ برکات احمد کے ایک اور شاگرد معین الدین اجمیری کے ہاں کچھ عرصہ مقیم رہے اور بعدازاں دورہ حدیث کے لیے دیوبند گئے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے مولانا محمود الحسن، انور شاہ کاشمیری، شبیر احمد عثمانی اور حسین احمد مدنی سے کسبِ فیض کیا۔ مولانا مدنی خود بھی شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے درس میں بیٹھتے تھے یوں ایک کتاب کے درس میں وہ مناظر احسن کے ہم سبق بھی رہے۔(5) دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مناظر احسن ٹونک کی اپنی ابتدائی مادر علمی کے کتب خانہ کی فہرست سازی پر مامور ہوئے۔اور دو ماہ بعد یہیں مدرس ہو گئے۔(6) چند ماہ بعد یہاں سے حیدر آباد اور پھر دیوبند آ گئے۔(7) دیوبند میں وہ پہلے پہل "الرشید" اور "القاسم" کے مدیر مقرر ہوئے۔ پھر یہاں استاد بھی رہے۔(8) اسی دوران ۱۹۱۹ء میں حیدر آباد دکن میں جامعہ عثمانیہ قائم ہوا۔حمیدالدین فراہی کے توسط سے مناظر احسن گیلانی جامعہ عثمانیہ میں استاد حدیث مقرر ہوئے۔ یہ دیوبند کے برخلاف جدید طرز کی درس گاہ تھی۔ بعدازاں یہاں مولانا گیلانی کو دینیات لازمی کا استاد مقرر کیا گیا۔۱۹۴۹ء تک مولانا گیلانی یہیں رہے اور یہیں جامعہ عثمانیہ سے پینشن لی یوں آپ کی زندگی کا بہترین حصہ جامعہ عثمانیہ میں گزرا۔

جامعہ عثمانیہ سے ان کی وابستگی تیس سال تک رہی ۔ یہاں مولانا گیلانی کو حمید الدین فراہی سے استفادہ کا موقع ملا۔ قابل ذکر ہے کہ یہاں تدریس کے ساتھ ساتھ آپ قریبی مسجد میں درس قرآن بھی دیتے تھے اور جمعہ و عیدین کے خطبات بھی ارشاد فرماتے تھے۔[9] قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں نفاذ اسلام کی کوششوں کے فن میں علمی و قانونی مسائل کی مشاورت کے لیے جو بزرگ ہندوستان سے پاکستان میں مقیم رہنے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لائے ان میں مناظر احسن گیلانی بھی شامل تھے۔آپ کچھ عرصہ پاکستان میں مقیم رہنے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لے گئے۔ہندوستان واپسی کے بعد ۱۹۵۳ء میں آپ کو دل کا دورہ پڑا مگر جلد صحت یاب ہو گئے۔تاہم بعد ازاں ۱۹۵٦ء میں آپ کو پھر دل کا دورہ پڑا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے۔

مولانا کی وفات

مولانا مناظر احسن گیلانی کی رحلت کا واقعہ بھی سبق آموز ہے۔مولانا کا خیال تھا کہ موت کے وقت تکلیف نہیں بلکہ نیند کی کیفیت ہوتی ہے ان کے تحریر کردہ اوراق میں سے ایک ورق پر یہ تحریر لکھی ہوئی بھی ہے ۔۱۰ اپریل ۱۹۵۲ء یکایک سونے کے وقت رات کو قرآنی آیت: ﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَى إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى﴾ کا خیال آیا۔ عجیب بات ہے کہ آخر میں فرماہی دیا گیا۔﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾[10]۔

مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں میں موت کے متعلق طرح طرح کی روایتیں مشہور ہو گئی ہیں موت بھی اسی طرح آتی ہے۔ نیند آنے میں سونے والوں کو تکلیف کب ہوتی ہے۔پھر موت میں تکلیف کا تصور عجیب ہے۔

حضرت تھانوی نے بھی غزالی کی ان روایتوں کی تنقید کرائی تھی، جن سے موت کے شدائد پر امام نے احیاء العلوم میں استدلال کیا ہے۔[11] اسی حسن خیال کے مطابق مولانا کے ساتھ واقعہ اُجل پیش آیا کہ رات کو بارہ بجے تک کچھ اشعار سنتے رہے۔ صبح نماز پڑھی، وظیفہ کرنے کے بعد پلنگ پر آکر آرام سے چادر اوڑھ کر لیٹ گئے ،اور دار باقی کی طرف یوں چل دیئے کہ ساتھ بیٹھے ہوؤں کو بھی پتا نہ چل سکا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ پلنگ پر ایک نوجوان کی طرح کا شگفتہ و شاداب چہرے والا انسان پڑا ایسے معلوم ہوتا تھا، جیسے راحت کی نیند سو رہا ہے۔[12]

تصنیف و تالیف

مولانا خود فرماتے تھے کہ ان کی کوئی تصنیف بھی باضابطہ " تصنیفی پروگرام " کے تحت انجام نہیں پائی۔ یہی ہوتا رہا کہ کسی نے مضمون لکھنے کی فرمائش کر دی یا طلبہ کے لیکچر کی تیاری یا ان کے مقالات کی رہبری کے سلسلہ میں معلومات فراہم کرنا پڑیں۔ وہ معلومات اتنی زیادہ اور قیمتی ہوئیں کہ ہر موضوع پر ایک مستقل کتاب خود بخود تیار ہو گئی۔

بہر کیف اس غیر تصنیفی پروگرام کے باوصف آپ کی کئی تالیفات زیور طبع سے آراستہ ہوئیں۔ جن میں مقدمہ تدوین قرآن ، تذکیر بسورۃ الکھف ،تدوین حدیث، النبی الخاتم ، مقدمہ تدوین فقہ ، اسلامی معاشیات اور امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی وغیرہ، قابل ذکر ہیں۔

مولانا گیلانی اور تصوف

تصوف پر مناظر احسن گیلانی کا ایک ابتدائی مضمون کائنات روحانی کے زیر عنوان "القاسم" میں چھپا ۔علاوہ ازیں آپ نے تصوف کی بعض کتب کے تراجم بھی کئے جیسے سید مرتضٰی الزبیدی کی **النفخة القدوسية** اور شاہ اسماعیل شہید کی **طبقات** وغیرہ۔ ۱۹۴۴ء میں آپ کا ایک رسالہ **الدین القیم** شائع ہوا۔اس میں مولانا نے صوفی اور متکلم کی حیثیت سے "صوفیانہ علم الکلام" پیش کیا۔اس میں انہوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مباحث کے ذریعے کائنات کے اس معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی جسے عقل و فلسفہ حل کرنے سے عاجز رہا۔[13]

مولانا دوران طالب علمی ہی میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ہاتھ بیعت ہو گئے تھے۔ شیخ الہند کی وفات کے بعد آپ نے حیدر آباد میں سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ حضرت حبیبُ العید کے ساتھ تعلق قائم کیا۔ یہ بزرگ شیخ عبد القادر جیلانی سے نسبی اور باطنی تعلق کے حامل تھے۔ مولانا نے ان سے قادریہ طریق پر تربیت پائی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ بعد ازاں سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ مولانا محمد حسین حیدر آبادی کے ساتھ منسلک ہوئے اور کسب فیض کیا اور خلافت کا شرف حاصل ہوا۔

قابل ذکر ہے کہ محمد حسین صاحبِ حال بزرگ تھے۔ آپ جب بیمار ہوئے، دوا پینے کا وقت آیا تو فوراً اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ تدبیر امرِ شرعی ہے اس کا احترام کرنا ضروری ہے یہ کہتے ہوئے دوا پی لی اور ہنستے ہوئے

غلبہ شوق میں ارشاد ہے " مگر بھائی اب تو ہم چلے "اس کے ساتھ ہی منہ پر چادر کھینچ لی اور "أشْهَدُ أنْ لَّا اِلٰهَ إلاَّ الله" پڑھتے ہوئے رخصت ہوگئے [14]۔ مناظر احسن گیلانی اگرچہ دہری خلافت رکھتے تھے، مگر آپ نے کبھی کسی کو بیعت نہیں کیا۔ البتہ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے شاگردوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا اور دیگر علوم کے ساتھ ساتھ آپ سے تصوف بھی سیکھا۔

مقالاتِ احسانی

مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے مشاہد کے مطابق مولانا گیلانی اگرچہ خانقاہی رسوم کے قائل نہ تھے لیکن شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی سے ان کو خصوصی عقیدت تھی اور روحانی مناسبت بھی۔[15] قیام گیلانی کے زمانہ میں انہوں نے شیخ اکبر کے مطالعہ کے لئے دارالمصنفین اعظم گڑھ سے خصوصی طور پر کتابیں مستعار لی تھیں۔ اسی زمانہ میں تصوف کے حوالہ سے آپ کے لکھے گئے مضامین تصوف پر آپ کی ایک اہم تالیف مقالات احسانی کی صورت میں جمع کئے گئے ہیں۔

ان مضامین میں مولانا نے اس بات پر زور دیا کہ اگرچہ سلاسل تصوف کے ساتھ منسلک ہونا دینی تعلیمات پر عمل میں حسن و جمال پیدا کرتا ہے جسے قرآن و سنت میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے تاہم اس مقام احسان کا حصول ان سلاسل کے ساتھ منسلک ہوئے بغیر بھی ممکن ہے۔ مقدم الذکر رجحان کو وہ طریقہ غزالیہ کا عنوان دیتے ہیں جبکہ مؤخر الذکر راہ عمل کو انہوں نے طریقہ اشغال مطلقہ یا اطلاقی تصوف کا نام دیا ہے۔

طریق غزالیہ

مولانا گیلانی کا کہنا ہے کہ عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں ظاہر و باطن، قلب و قالب، اور جسم وروح میں توازن و ہم آہنگی تھی۔ اس دور میں عرفان ذات الٰہی اور وصول اِلی اللہ کے لئے دنیا سے بے زاری اور اسباب سے بے نیازی و، دوری کی شرط نہ تھی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیاوی ساز وسامان اور دنیاوی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اس طرح عرفانی رنگ میں رنگ جاتے تھے کہ ان کو مجاہدات و مراقبات کی ضرورت ہی لاحق نہ ہوتی تھی۔

لیکن جب خلافت پر ملوکیت نے قبضہ جما لیا تو دنیاوی زیب و زینت اور ظاہری آرائش و آسائش نے لوگوں کے دلوں پر تسلط قائم کر لیا۔ تب بزرگان دین کے ایک طبقے نے ان ظاہر داریوں سے گریز کی راہ اپنائی

اور درویشانہ زندگی اختیار کی۔اس دوران حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیمات اور عملی زندگی کے نمونہ سے شریعت کے ظاہری احکام (فقہیات)اور باطنی ہدایات (تقوی وعبادت) کو جمع کر دیا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دلنشین اسلوب اور مؤثر طرز بیان سے صوفیائے سابقین کی ساری تعلیمات کو اپنی کتابوں احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت وغیرہ میں سمو دیااور یوں تصوف کے طریق غزالیہ کا ظہور ہوا۔مولانا گیلانی کا کہنا ہے کہ اس ضمن میں نہ صرف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے سیاسی حالات کا دخل تھابلکہ اس طریق کی تشکیل میں خود امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو پیش آنے والے بعض تجربات کا بھی دخل تھا۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا دور مسلمان حکومتوں کے ارتقاء کا زمانہ تھا۔تب مشرق و مغرب کے خزانوں کی کنجیاں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھیں۔اس لئے ان کی بیان کردہ صوفیانہ تعلیمات میں ان رجحانات کے بر خلاف دنیا گریز رجحانات کا عنصر غالب تھا۔تاہم یہ ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد میں نظام اخلاق کی تاراجی کو محسوس کیااور اس کے استحکام کی جانب امت کی توجہ مبذول کروائی۔[16]

مولانا گیلانی کا کہنا ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس طریق پر چلنے کے لئے ہمہ تن غرق مجاہدہ ہونا پڑتا ہے۔نہ معاشی مشغولیت کی صورت پیدا ہوسکتی ہے نہ درس وتدریس جیسے دیگر فرائض کی انجام دہی کی۔ایسی کامل یکسوئی اور دنیوی فرائض سے یکسر دامن کشی کے ڈانڈے رہبانیت سے جا ملتے ہیں جس کی اسلام میں ممانعت ہے۔

اس لئے مولانا گیلانی کے خیال میں احسانی کیفیات کا حصول اشغال صوفیہ پر موقوف نہیں۔مخصوص صوفیانہ اشغال اور مجاہدات تجربہ کی بناپر مفید تو ضرور ہیں مگر واجب نہیں۔کسی شخص کے لئے ان سے ممارست نہ کرنا مراتبِ احسان تک پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بنتا۔اصل چیز شریعت کے اوامر ونواہی ہیں جن کا ہر مکلف پابند ہے۔

آپ کے خیال میں اشغال صوفیہ کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسے برف سے ہوا بننے تک پانی کو مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔اسی طرح انانیت فراموشی کے درجے تک انسانی نفوس بھی مختلف حالات سے گزرتے ہوئے ہی پہنچتے ہیں۔جن کے لئے اشغال کا طریقہ اختیار کرنا ہوتا ہے۔

طریقہ اشغال مطلقہ یا اطلاقی تصوف:

مولانا گیلانی کے نزدیک انتساب إلی السلاسل کا درجہ مندوب کا ہے۔ان کے خیال میں انسان اصحاب سلاسل میں سے ہوئے بغیر بھی مرتبہ احسان پر فائز ہو سکتا ہے، جس کا مشاہدہ ہم اسلام کے صدر اول میں کرتے ہیں۔ مولانا گیلانی نے اسے اطلاقی تصوف سے تعبیر کیا ہے۔یوں مولانا مرحوم نے طریق غزالیہ جو دنیا گریزی کے رجحانات کا حامل ہے' کے مقابل اطلاقی تصوف کے تصور کو نمایاں کیا ہے اور اس سلسلہ میں شیخ اکبر ابن عربی اور خانوادہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علماء کی تصریحات سے استشہاد کیا ہے۔

ان شہادتوں کو بیان کر کے مولانا گیلانی بتاتے ہیں کہ صوفی بننے اور صوفیانہ سلوک کی راہ اختیار کئے بغیر بھی ان نسبتوں کے حصول کی گنجائش ان لوگوں کے لئے بھی پائی جاتی ہے جو کسی وجہ سے دین و دنیا کے دیگر مشاغل اور دھندوں میں مصروفیات سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی صورت نہیں پاتے۔

اس ضمن میں مولانا گیلانی شیخ اکبر کے حوالہ سے رجال اللہ کی سہ گانہ تقسیم کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ مردان خدا میں عباد و زہاد کی دو جماعتیں تو وہ ہیں جو اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں اور ان سے ریاکاری کا خوف زائل ہو جاتا ہے انہیں احوال و مکاشفات ملتے ہیں اور ان سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔

لیکن مردان خدا کا تیسرا طبقہ وہ ہے جو اگرچہ خود پسندی سے کلیۃ پاک بھی نہیں ہوتے اور نفسانیت کا اثر بھی ان پر باقی رہتا ہے لیکن یہ تیسرا گروہ شیخ اکبر کی نظر میں سب سے زیادہ قابل تعریف ہے۔ نمازوں میں فرائض اور سنن مراتبہ سے زائد میں ان لوگوں کو مشغول ہوتے نہیں پایا جاتا۔ نمازوں کے علاوہ دیگر دینی فرائض سے متعلق بھی ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ عوام کے مقابلہ میں ان میں کسی قسم کا امتیاز نہ پیدا ہو۔ چلت پھرت، لباس اور وضع قطع میں بھی یہ عام لوگوں کے رواج کے مطابق چلتے ہیں۔

یہ لوگ دل میں اندر ہی اندر تنہا اپنے آپ کو اللہ کے ساتھ اس طریقے سے باندھے رکھتے ہیں کہ خدا کے سوا ان کے اندر گویا کچھ ہے ہی نہیں۔ وہ اپنے مالک و معبود کے ساتھ اس تعلق کو ہمیشہ تروتازہ رکھتے ہیں خدا کے سامنے اپنی خاکساری اور محتاجی کا احساس انہیں ہر وقت رہتا ہے۔(17)

طریقہ اشغالِ مطلقہ یا اطلاقی تصوف کی راہ پر چلنے والے اس گروہ کے خصائص بتاتے ہوئے مولانا مرحوم بحوالہ ابن عربی لکھتے ہیں کہ یہ دانش مندوں اور حکماء کا گروہ ہے جو ہر چیز کو ٹھیک اس کے قدرتی مقام پر رکھتا ہے۔ یہ گروہ اسباب کی نفی نہیں کرتا۔ جن اسباب کا دنیا کی موجودہ زندگی سے تعلق ہے، یہ لوگ ان کے

اقتضاء کو اس زندگی میں پورا کرتے ہیں اور اخروی زندگی کے نتائج کو قدرت نے جن اسباب کے ساتھ وابستہ کیا ہے ان کے اقتضاء کی تکمیل بھی آئندہ زندگی کے نتائج کے لئے کرتے ہیں۔[18]

اگرچہ اسباب کی اہمیت میں بدترین قسم کی عقلیت کے مریض بھی ایسا ہی نقطہ نظر رکھتے ہیں مگر ان مردان خدا یا رجال اللہ کا اس طبقہ "مریضانِ عقل" سے امتیاز یہ ہے کہ یہ لوگ اسباب پر تکیہ نہیں کرتے۔ چنانچہ بحوالہ ابن عربی لکھتے ہیں کہ سبب اور اس کی اقتضاؤں کی تکمیل کے دوران میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر انہی اسباب پر ٹیک لگالی جائے اور انہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے تو یہی شرک اور الحاد ہے۔[19]

شیخ اکبر کا کہنا یہ ہے کہ اہل اللہ میں سب سے اونچا طبقہ انہی لوگوں کا ہے۔ یہی لوگ حق سبحانہ و تعالیٰ کے پاس سب سے زیادہ قریب ہیں۔ مولانا گیلانی لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجالُ اللہ اور مردانِ خدا کے مذکورہ بالا دو طبقات کے بزرگوں کو بھی شیخ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ مردانِ خدا ہی میں شمار کرتے ہیں لیکن تیسرے طبقے کے وہ سب سے زیادہ مداح ہیں۔ مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

مان بھی لیا جائے کہ یہ شیخ کا ذاتی مذاق ہو لیکن اس سے اتنی بات تو بہر حال ثابت ہو جاتی ہے کہ خود صوفیوں میں بھی ایسے افراد گزرے ہیں جن کے نزدیک دین کے احسانی مقام تک ترقی کر کے پہنچنے کے لئے اس سے زیادہ وقت دینے کی ضرورت نہیں جتنا وقت بہر حال ایک مسلمان کو اپنے دین کے فرائض و واجبات اور سنن کے ادا کرنے کے لئے ضروری ہے۔[20]

مولانا نے شیخ اکبر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس تیسرے گروہ کو ملامتیہ کے نام سے موسوم کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ عباد تو اپنی عبادت اور زہد کی وجہ سے شہرت و امتیاز حاصل کر لیتے ہیں اور کشف و کرامت کی وجہ سے دوسرا طبقہ عوام میں عظمت و مقبولیت اختیار کر لیتا ہے لیکن رجال اللہ کے اس تیسرے طبقے کو ان تمام امور سے محرومیوں پر صبر کرتے ہوئے زندگی گزارنی پڑتی ہے۔

تصوف کا نصی استناد

قابل ذکر ہے کہ مولانا مرحوم نے اگرچہ تصوف کو طریق غزالیہ کے زیر عنوان ہدف تنقید تو بنایا ہے مگر وہ اسے علوم اسلامیہ کا ایک اہم شعبہ بھی قرار دیتے ہیں۔ اور یوں تصوف کی نفی کرنے والوں اور تصوف ہی کو سب کچھ قرار دینے والوں نے درمیانی راہ اپنائی۔ اور تصوف کو منصوص بنیادوں پر استوار قرار دیا۔

مولانا گیلانی ایک عام درجہ کے عالم نہ تھے۔آپ مایۂ ناز محقق،تاریخ اور علوم عصریہ کے واقف حال،قدیم اسلامی لٹریچر کے ماہر اور دیگر علوم ظاہریہ میں امتیاز رکھتے تھے۔آپ نے جس پختگی کے ساتھ علم تصوف کا نصی استشہاد بتایا وہ انہی کا عالمانہ امتیاز ہے۔

مولانا گیلانی کا کہنا ہے کہ تصوف اسلامی علوم کا ایک اہم شعبہ ہے۔اس پر بدعت کا اطلاق کرنا حقیقت شناسی نہیں۔اس ضمن میں وہ شاہ اسماعیل شہید کی کتاب طبقات کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تصوف پر یہ الزام بھی منصفانہ نہیں کہ اس کا بڑا حصہ غیر منصوص ہے۔اس لئے کہ فقہی مسائل کا ایک بڑا حصہ بھی تو ایسا ہے کہ جس کے متعلق صاحب شریعت سے صراحتاً حکم منقول نہیں۔[21]

اس لئے فقہ ہو یا تصوف یا علم کلام یہ سارے ہی علوم شرعی علوم ہیں اور ان علوم کے سارے ائمہ کی تائید غیب سے کی گئی ہے۔اور ان کی تقلید کرنے والے حق کے پیرو ہیں۔[22]

چنانچہ لکھا: کچھ بھی ہو جائے بیان و تفصیل کی صلاحیت،سلیقہ مندی عوام میں نہ ہو۔لیکن عموماً مسلمانوں میں یہی سمجھا گیا ہے کہ دینی دائرے میں جیسے فقہ اور فقہاء کے اجتہادی و قیاسی مسائل داخل ہیں یہی حیثیت تصوف اور صوفیاء کی بھی ہے۔[23]

مولانا گیلانی چاہتے تھے کہ اہل ظاہر اور اہل باطن کے درمیان جو چشمک یا ناراضی رہتی ہے اس کا سلسلہ ختم ہونا چاہیئے۔آپ نے اصحاب حدیث کو امام احمد بن حنبل جیسے محتاط محدث کا صوفیائے وقت سے متاثر ہونے کے حوالے سے بتایا کہ امام موصوف صوفیوں کے سرخیل حارث محاسبی اور ان کے رفقاء کے احوال سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے۔ان کے احوال سنتے ہوئے خود صاحب حال ایسے ہوئے کہ روتے روتے آپ پر غشی طاری ہو گئی۔

تصوف میں اختلاف سلاسل:

تصوف کے مختلف سلاسل کے درمیان اختلاف کے ضمن میں بھی آپ کی توجیہ قابل توجہ ہے۔وہ اس اختلاف کو صرف اسمی اور تبرکی اختلاف سے تعبیر کرتے ہیں اور اس مسئلے کو بزرگوں کے انداز طبائع اور فطری رجحانات کے اختلاف سے تعبیر فرما کر حل فرماتے ہیں۔ان کے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسے لوگوں

کی سانسوں کا اختلاف کہ ہر شخص کی سانس دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ "**عدد الطرق الی اللہ للناس بعدد الانفاس**" (24)

نیز آپ لکھتے ہیں:

"اور ٹھیک جیسے فقہ میں باوجود اختلافات کے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مکاتب خیال اہل سنت یا اہل حق ہی کا مکاتب خیال سمجھے جاتے ہیں اسی طرح قادری، نقشبندی، سہروردی اور چشتی وغیرہ صوفیوں کے ان مختلف طرق و سلاسل کے متعلق یہی باور کیا جاتا ہے کہ ان میں ہر طریقہ صحیح اور درست ہے۔اختلافات جو کچھ بھی صوفیوں کے ان مختلف طریقوں میں پائے جاتے ہیں ان کا تعلق صاحب طریقہ کے فطری رجحانات یا ان لوگوں کے خصوصی حالات سے ہے جن میں پہلے پہل یہ طریقہ مروج ہوا۔"(25)

وہ اس ضمن میں خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی تقابلی مثال پیش کرتے ہیں کہ دونوں بزرگ ہم عصر اور ہم شہر تھے، دونوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کیا لیکن دونوں کے طریقے مختلف تھے۔ان کا یہ اختلاف کوئی بنیادی واصولی اختلاف نہ تھا، بلکہ یہ ان کے شخصی مزاج اور تربیتی ماحول کا ان کی تعلیمات پر اثر تھا۔(26)

مولانا اس اختلاف کو صحابہ کے مزاج طبعی اور ذوق شخصی کے اختلاف سے تعبیر کرتے ہیں اور اختلاف کی ان ناگزیر قدرتی شکلوں کو مفید قرار دیتے ہیں۔وہ مثال دیتے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رافت ونرمی اور عمر رضی اللہ عنہ کی شدت و گرمی دونوں ہی سے امت کو فائدہ پہنچتا رہا۔(27)

حواشی و حوالہ جات

1) سفیر اختر، ڈاکٹر، سید مناظر احسن گیلانی: احوال و آثار پر ایک طائرانہ نظر۔ مقالہ در تدوین حدیث از مناظر احسن گیلانی، مکتبہ العلم، لاہور ص:۸
2) سفیر اختر، ص:۹ بحوالہ: ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت از مناظر احسن گیلانی، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۴۴ء، ص:۱/۳۵۳
3) سفیر اختر، ص:10
4) بحوالہ تذکرہ مسلم شعراء بہار از حکیم سید احمد اللہ ندوی، کراچی، 1968ء، ص:۴/219
5) سفیر اختر، ص:12
6) سفیر اختر، ص:13
7) سفیر اختر ص:13-14، بحوالہ یاد ایام عمر گزشتہ از مناظر احسن گیلانی، ماہنامہ دار العلوم دیوبند 1374ء، ص:34
8) سفیر اختر، ص:14-15 بحوالہ: مکاتیب، گیلانی از مناظر احسن گیلانی، مرتبہ منت اللہ رحمانی، دار الاشاعت رحمانی، مونگیر 1972ء، ص:85/1
9) سفیر اختر، ص:17
10) سورۃ الزمر:42/39
11) مولانا مناظر احسن گیلانی پر معارف اعظم گڑھ 79:4، ص:269 پر سید صباح الدین عبد الرحمٰن کا مضمون
12) معارف 79:4، ص:269
13) معارف 79:3، ص:180
14) تذکرہ احسن از غلام محمد، در مقالات احسانی از مناظر احسن گیلانی، مکتبہ اسعدیہ کراچی، 2005، ص:22
15) بحوالہ وفیات ماجدی از عبد الماجد دریابادی، مرتبہ عبد القوی دریابادی، عبد الماجد اکیڈمی لکھنؤ، ۱۹۷۸ء، ص:۷۹
16) مقالات، ص:۱۰۸
17) مقالات، ص:۴۷
18) مقالات، ص:۲۷۱
19) مقالات، ص:۲۷۲
20) مقالات، ص:۴۹

21) مقالات، ص:۳۵
22) مقالات، ص:۳۴
23) مقالات، ص:۳۵
24) مقالات، ص:۲۳۴
25) مقالات، ص:۳۶
26) دیکھئے مقالات، ص:233-269
27) مقالات، ص:271-272

****